© rasailojaraid.com

سعید احمد اکبرآبادی

پروفیسر اجناس گولڈزیہر

ولادت ہنگری کے ایک شہر Syikesfehervar میں ۲۲ جون ۱۸۵۰ء کو ہوئی، لکھنے پڑھنے اور مطالعہ کا ذوق فطری تھا، اس لیے ابھی عمر پانچ برس کی تھی کہ عہد عتیق کے عبرانی اڈیشن کا مطالعہ شروع کر دیا۔ آٹھ برس کی عمر میں پوری تلمود پڑھ لی، اسی کا نتیجہ تھا کہ بارہ برس کی عمر میں گولڈزیہر نے عبرانی زبان میں جو مناجاتیں ہیں، ان کی اصل اور ان کے اقسام پر ایک مقالہ لکھا اور اسے شائع کرایا۔ ابھی عمر سولہ برس کی تھی اور وہ اسکول بوائے ہی کہلاتے تھے کہ گولڈزیہر نے فلسفہ اور قدیم زبانوں مثلاً فارسی اور ترکی کی کلاسوں میں جو بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں ہوتی تھیں، پابندی اور باقاعدگی سے شرکت شروع کر دی۔ اس کی تکمیل کر لینے کے بعد گولڈزیہر کو مزید اعلیٰ تعلیم اور ریسرچ کے لیے ہنگری گورنمنٹ کی وزارتِ تعلیم کی طرف سے ایک وظیفہ مل گیا، تو اب وہ جرمنی چلے آئے، اور لپزگ اور برلن کی یونیورسٹیوں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس وقت ان کی عمر ۱۹ برس تھی۔ جرمنی سے وہ ہالینڈ گئے اور لیڈن میں جو اس زمانے میں اسلامیات کے درس و مطالعہ کا یورپ میں سب سے بڑا مرکز تھا، چھ مہینے قیام کیا۔ اس قیام کا نتیجہ یہ ہوا کہ گولڈزیہر نے اب تک جو کام کیا تھا، اگرچہ اس کا دائرہ بڑا وسیع تھا، لیکن اس کا تعلق زیادہ تر یہودی اور سامی زبانوں (جن میں عربی بھی شامل تھی) کے ادب کے مطالعہ سے تھا، مگر اب یعنی لیڈن میں قیام اور اسلامیات کے درس و مطالعہ کے بعد، جیسا کہ گولڈزیہر نے خود اپنی ڈائری میں تحریر کیا ہے، اسلام کا مطالعہ اور اس پر تحقیق اور ریسرچ ان کی علمی زندگی کا نہایت اہم مشن بن گیا۔

اس سلسلہ میں انہوں نے مشرق وسطیٰ کا سفر کیا اور ستمبر ۱۸۷۳ء سے اپریل ۱۸۷۴ء تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دمشق اور قاہرہ میں قیام کیا۔ جامع ازہر قاہرہ میں کسی غیر مسلم کا داخلہ قانوناً ممنوع تھا، لیکن گولڈزیہر نے خصوصی اجازت حاصل کر کے اس میں داخلہ لے لیا اور بحیثیت طالب علم وہاں پڑھنا شروع کر دیا۔ گولڈزیہر نے جو زمانہ یہاں گزارا، اس کو انہوں نے اپنی زندگی کی خوشگوار ترین اور مفید ترین مدت بیان کیا ہے۔

اگرچہ اپنے والد کی سخت علالت کے باعث جو مرض الموت ثابت ہوئی، وہ قاہرہ میں زیادہ قیام نہ کر سکے، اور وطن لوٹ آئے۔ پھر یہاں دیکھا کہ ان کے گھر کا تجارتی کاروبار بھی انحطاط پذیر ہے، علاوہ ازیں ہنگری گورنمنٹ کی وزارت تعلیم کا اب وہ پہلا سا ہمدردانہ اور حوصلہ افزا رویہ باقی نہ رہا تھا، اور ملک کی سیاسی صورت حال بھی بدل چکی تھی۔ ان تمام مشکلات اور موانع کے باوجود گولڈزیہر نے باقاعدہ وباضابطہ اسلام کا تحقیقی مطالعہ انہماک اور کامل توجہ ویکسوئی کے ساتھ جاری رکھا، چنانچہ ۱۸۷۴ء میں وائنا کی امپیریل اکاڈمی کی روئداد میں گولڈزیہر کے علمی کارنامہ کی اشاعت ہوئی تو علوم شرقیہ اور خصوصاً اسلام اور اس کے متعلقات کے ایک جدید طرز کے محقق کی حیثیت سے لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھنے لگیں اور یہی واقعہ ان کی شہرت کا نقطۂ آغاز بنا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہنگری میں سامیوں کے خلاف تحریک بڑے زور شور سے چل رہی تھی، اور اس بناء پر یہودیوں کو اکثر و بیشتر علمی اعزازات وتقررات سے محروم کر دیا گیا تھا۔ گولڈزیہر اس کی زد سے نہ بچ سکے، چنانچہ وہ بلند پایہ علمی اور تحقیقی کارنامے جن کی دھوم ممالک غیر کے حلقوں میں مچی ہوئی تھی، خود ان کے اپنے وطن میں ان کی کوئی قدر نہ تھی۔ یہ زمانہ گولڈزیہر کے لیے بڑا صبر آزما تھا، ۱۸۹۴ء میں بوڈاپسٹ یونیورسٹی نے گولڈزیہر کو پروفیسر مقرر کیا بھی تو محض آنریری، یعنی پروفیسر کا لقب رکھنے کے باوجود گولڈزیہر کو نہ تنخواہ ملتی تھی اور نہ اور دوسری سہولتیں میسر تھیں، جو باتنخواہ پروفیسروں کو حاصل ہوتی ہیں، اور وطن میں ان کے ساتھ یہ معاملہ اس وقت تھا جبکہ ۱۸۸۹ء میں آٹھویں انٹرنیشنل کانگرس آف اورینٹلسٹس نے گولڈزیہر کو ان کے علمی اور تحقیقی کارناموں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدر افزائی کی غرض سے ایک تمغۂ طلائی دیا اور ۱۸۹۴ء میں کیمبرج یونیورسٹی نے گولڈز یہر کو ڈبلو۔ روبرٹسن اسمتھ کی جانشینی کی غرض سے پروفیسر شپ کی پیش کش کی تھی، جس کو خود گولڈز یہر نے منظور نہیں کیا تھا۔

آخر معاشی ضرورتوں سے مجبور ہو کر گولڈز یہر نے یہودی کمیونٹی کے سکریٹری کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا، جس کو مسلسل تیس برس ۱۸۷۶ء سے ۱۹۰۴ء تک کرتے رہے۔ اس میں اگرچہ تنخواہ کافی تھی، لیکن یہ کام گولڈز یہر کی طبیعت اور مزاج و مذاق کے خلاف تھا، لیکن اس میں مصروفیت کے باوجود شام کے اوقات، تعطیل کے ایام اور ہفتہ وار چھٹی کے دن جو وقت ملتا تھا، گولڈز یہر اسے علمی اور تحقیقی کاموں میں صرف کرتے اور انہیں شائع کرتے رہتے تھے، جس سے ان کی عظمت اور شہرت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ انجام کار ۱۹۰۴ء میں عمر میں پہلی مرتبہ ان کا تقرر ایک باقاعدہ و باضابطہ اور باتنخواہ پروفیسر کی حیثیت سے بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں ہوا۔ پہلے یہ سامی زبانوں اور ان کے ادبیات کے پروفیسر رہے۔ ۱۹۱۴ء سے فیکلٹی آف لاء کے ماتحت اسلامی فقہ کے صدرِ شعبہ ہو گئے۔ ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء کو ان کا انتقال ہوا[۱]۔

پروفیسر گولڈز یہر کے بلند پایہ علمی اور تحقیقی کارناموں کی فہرست بہت طویل ہے، لیکن چند کتابیں نہایت اہم اور بڑی معرکتہ الآرا ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) ''فرقۂ ظاہریہ: ان کا مذہب اور ان کی تاریخ،'' ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی۔ (۲) ''اسلامیات کا مطالعہ''، یہ کتاب دو جلدوں میں ہے، اور اول الذکر کتاب کے چند برس بعد منظر عام پر آئی ہے۔ (۳) اس کے بعد ۱۹۰۶ء میں گولڈز یہر کو امریکہ کی طرف سے اسلامی دینیات اور اسلامی فقہ کے عہد بعہد ارتقاء پر چھ لکچروں کی دعوت موصول ہوئی، گولڈز یہر نے یہ دعوت منظور کر کے ایک برس کی مدت میں لکچر تیار کر لیے، لیکن کچھ صحت کی خرابی اور کمزوری، اور چند اور اسباب کی بناء پر گولڈز یہر کو امریکہ کے سفر کا ارادہ فسخ کرنا پڑا، اور انھوں نے یہ لکچر کتابی شکل میں ''اسلامی دینیات اور قانون'' کے نام سے چھپوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیے۔(۴) اس سلسلہ میں چوتھی کتاب جو نہایت اہم ہے وہ ''مذاہب التفسیر الاسلامی'' کے نام سے ہے، جس میں تفسیرِ قرآن کے مختلف مناہج سے بڑی محققانہ بحث کی گئی ہے۔

یہاں تک ہم نے گولڈزیہر کے ذاتی اور شخصی حالات وسوانح اور ان کے علمی کارناموں کا مختصراً ذکر کیا ہے۔ آیئے! اب اسلامی نقطۂ نظر سے گولڈزیہر کا بحیثیت ایک نامور مستشرق کے جائزہ لیں۔ جس زمانہ میں گولڈزیہر بدِشعور کے ناخن لے رہے تھے، وہ زمانہ تھا جبکہ ''پیامِ مشرق'' کے مقدمہ میں علامہ اقبال کے بیان کے مطابق المانوی ادبیات کی تاریخ میں تحریک مشرقی پیدا ہو چکی تھی۔ گوئٹے کا دیوان اسی تحریک کا نتیجہ تھا، جس کی نسبت جرمنی کا اسرائیلی شاعر [ہائنا] کہتا ہے، گوئٹے کا دیوان ''ایک گلدستہ عقیدت ہے جو مغرب نے مشرق کو بھیجا ہے۔--- اس دیوان سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ مغرب اپنی کمزور اور سرد روحانیت سے بیزار ہو کر مشرق کے سینہ سے حرارت کا متلاشی ہے۔'' یہ تحریک مشرقی جس کا آغاز اس وقت ہوا، جب ۱۸۱۲ء میں فان ہیمر نے خواجہ حافظ شیرازی کے دیوان کا مکمل ترجمہ شائع کیا، بعد کے شعراء پلاٹن، روکرٹ اور بوڈن سٹاٹ نے اسے تکمیل کو پہنچایا۔ پلاٹن نے فارسی زبان سیکھی۔ قافیہ، ردیف اور ایرانی قواعد، عروض کی پابندی سے غزلیں اور رباعیاں لکھیں اور نپولین کی مدح میں ایک قصیدہ بھی فارسی زبان میں لکھا۔ روکرٹ عربی، فارسی اور سنسکرت، تینوں مشرقی زبانوں کا فاضل اور ماہر تھا۔ علامہ اقبال لکھتے ہیں کہ روکرٹ کی نگاہ میں مولانا جلال الدین رومی کے فلسفہ کی بڑی وقعت تھی اور ''اس کی غزلیات زیادہ تر مولانا ہی کی تقلید میں لکھی گئی ہیں۔'' مزید لکھتے ہیں: چونکہ ''روکرٹ السنہ مشرقیہ کا عالم تھا، اس لیے اس کی مشرقی نظم کے مآخذ بھی وسیع تر تھے۔ مخزن الاسرار نظامی، بہارستان جامی، کلیات امیر خسرو، گلستان سعدی، مناقب العارفین، عیار دانش، منطق الطیر اور ہفت قلزم وغیرہ، جہاں جہاں سے حکمت کے موتی ملتے ہیں رول لیتا ہے،--- اسلامی تاریخ کے بعض واقعات بھی اس نے خوب نظم کیے ہیں۔'' رہا بوڈن سٹاٹ! اس کی نسبت علامہ اقبال رقم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طراز ہیں: ''گوئٹے کے بعد مشرقی رنگ کا سب سے زیادہ مقبول شاعر بوڈن سٹاٹ ہے جس نے اپنی نظموں کا مجموعہ مرزا شفیع کے فرضی نام سے شائع کیا۔ یہ چھوٹا سا مجموعہ اس قدر مقبول ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں ایک سو چالیس دفعہ شائع ہوا، اس شاعر نے عجمی روح کو اس خوبی سے جذب کیا ہے کہ جرمنی میں مرزا شفیع کے اشعار کو لوگ دیر تک فارسی نظم کا ترجمہ تصور کرتے رہے۔'' جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس سے دو باتیں صاف طور پر معلوم ہوتی ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ گولڈزیہر کی پیدائش کے وقت تحریک مشرقی نے جرمنی کے ادبی حلقوں میں ایک ایسی فضا پیدا کر دی تھی کہ عجمی گلشنِ علم و ادب کی بوئے جاں نواز سے اہل جرمنی کے دل و دماغ مہک رہے تھے، اور وہ اس کے ذریعہ سرور باطن و روح کا سامان کرتے تھے، اور (۲) دوسری بات یہ ہے کہ تحریک مشرقی کا مقصد اور اس کی غرض و غایت خالص علمی اور ادبی تھی اور سیاست سے ہرگز اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

پروفیسر گولڈزیہر جو فطرۃً مذاقِ استشراق لے کر پیدا ہوئے تھے، اس فضا سے متاثر ہوئے بغیر کس طرح رہ سکتے تھے، چنانچہ، جیسا کہ ہم شروع میں بتا آئے ہیں، گولڈزیہر کی عمر ابھی سولہ برس کی تھی کہ یونیورسٹی میں مشرقی زبانوں پر جن میں فارسی اور ترکی زبانیں بھی شامل تھیں، لکچروں میں شامل ہونے لگے۔ ساتھ ہی سامی زبانوں کی طرف توجہ ہوئی تو عربی زبان بھی سیکھ لی۔ لیڈن میں اسلامیات کا شوق پیدا ہوا تو اس کے درس و مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تشنگی نہ بجھی تو مشرقِ وسطیٰ کی راہ لی اور حد یہ ہے کہ جامع ازہر- قاہرہ میں داخل ہوئے۔ یہ گولڈزیہر کی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ غالباً کوئی اور مستشرق اس میں ان کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ جامع ازہر کے اربابِ بست و کشاد نے یقیناً گولڈزیہر میں اسلامیات کے درس و مطالعہ کے لیے غیر معمولی تڑپ اور لگن محسوس کی ہوگی، اور اب تک جو کچھ انہوں نے لکھا پڑھا تھا، اس کی انہوں نے قدر کی ہوگی، جب ہی تو انہوں نے جامع ازہر کی قدیم روایات اور اس کے قواعد و ضوابط کے خلاف ایک یورپین غیر مسلم کو جامع ازہر میں داخلہ کی اجازت دی، پھر تکمیل و تحصیل کے بعد جب معاشی ضرورتوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجبور ہو کر ایک دفتری ملازمت کرنے لگے تو اس عالم میں بھی اسلامیات کا تحقیقی مطالعہ بڑی لگن کے ساتھ کرتے رہے، جس کا نتیجہ نہایت بلند پایہ مقالات وتصنیفات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ یہ سب کچھ اس کی روشن دلیل ہے کہ گولڈزیہر کو اسلامیات کے ساتھ فطری اور حقیقی لگاؤ تھا۔ ان کا مقصد زندگی صرف علم کی خدمت تھا، ان کو غرض نہ سیاست سے تھی اور نہ مشنریز کی طرح اسلام یا مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے سے تھی، اور یہ اس لیے بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ مشنریز صلیبی لڑائیوں کے زخم خوردہ تھے، اس لیے وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رسوائے زمانہ کتابیں لکھ کر کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق اپنے دل کا بخار نکالنا چاہتے تھے۔ ان لوگوں کے برعکس گولڈزیہر یہودی تھے اور ان کے زمانہ میں یہودی خود عیسائیوں کے ستم زدہ تھے، اور یوں بھی یہودی مذہبی معاملات ومسائل میں اپنے آپ کو بہ نسبت عیسائیوں کے مسلمانوں سے زیادہ قریب سمجھتے تھے۔ ان وجوہ کے باعث گولڈزیہر نے اسلامیات پر جو کچھ لکھا ــــ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا لکھا کہ اس میں عبقریت کی شان نظر آتی ہے ــــ اس کے متعلق بدنیتی کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ گولڈزیہر نے غلطیاں نہیں کی ہیں؟ نہیں، انہوں نے کی ہیں، اور ان کی غلطیاں دو قسم کی ہیں (۱) مستشرقانہ غلطیاں اور (۲) علمی غلطیاں۔ مستشرقانہ غلطیوں کے سلسلہ میں ہم کو بنیادی طور پر یہ باور کرلینا چاہیے کہ کوئی مستشرق خواہ کیسا ہی انصاف پسند اور اسلام کی رفعت وعظمت کا دل وجان سے قائل ہو، بہر حال وہ غیر مسلم ہے، اور اس بناء پر وہ اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کا مطالعہ جس نقطۂ نظر سے کرتا ہے، وہ بے شبہ ایک مسلمان کا نقطہ نظر ہرگز نہیں ہوسکتا، اور اس کا سبب یہ ہے کہ ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لیے بعض جو بنیادی عقائد ناگزیر ہیں، اگر مستشرق بھی ان عقائد کا حامل ہو تو وہ غیر مسلم ہی کہاں رہے گا، مثلاً نبوت کا اسلام میں تصور اور اس تصور کے ماتحت آنحضرتؐ کا مرسل من اللہ ہونا، علاوہ ازیں معراج نبوی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کا کلام الٰہی ہونا۔ یہ اور اس طرح کی چند اور باتیں ہیں جو مستشرقین میں عام ہیں، اور گولڈ زیہر بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

دوسری قسم کی غلطیاں جو گولڈ زیہر سے ہوئی ہیں، وہ علمی غلطیاں ہیں یا تعبیر و بیان کی فروگزاشتیں ہیں، لیکن یہ غلطیاں نہ چنداں تعجب انگیز ہیں اور نہ ان سے گولڈ زیہر کے بلند مرتبہ و مقام پر حرف آتا ہے، جو انہیں علم و تحقیق کی بارگاہ معلیٰ میں بجا طور پر حاصل ہے، کیوں کہ دُنیا میں کسی علم و فن کا کوئی بڑا سے بڑا محقق اور دیدہ ور عالم بھی ایسا نہیں ہے، جس سے غلطیاں نہ ہوئی ہوں اور جن کی نشان دہی خود اس کی زندگی میں یا اس کے بعد نہ کی گئی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی ارتقاء پذیر ہے، اور اس کی نمو پذیری اور ارتقاء کے ساتھ ساتھ انسان کی معلومات اور ذرائع و وسائل معلومات میں بھی اضافہ اور تنوع پیدا ہوتا رہتا ہے۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں تک گولڈ زیہر کی مستشرقانہ غلطیوں اور فروگزاشتوں کا تعلق ہے، مسلمان تو مسلمان، زمانۂ حال کے بعض مستشرقین نے خود ان کا اعتراف کیا ہے اور گولڈ زیہر کی طرف سے ان کی معذرت کی ہے، چنانچہ گولڈ زیہر کی کتاب ''انٹروڈکشن ٹو اسلامک تھیولوجی اینڈ لاء'' کے حالیہ انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۷۹ء پر پروفیسر برنارڈ لیوس نے جو مقدمہ لکھا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں:

> اس کتاب سے بوجوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گولڈ زیہر کا زمانہ سیاسی اور عقلی حیثیت سے کس درجہ مختلف تھا۔ ہمارے زمانہ میں جو مغربی مصنفین اسلام پر یا کسی اور ایشیائی وافریقی موضوع پر کتابیں لکھ رہے ہیں، ان کے برعکس گولڈ زیہر اور ان کے ہم عصر مصنفین کو اس کا خیال ہی نہیں تھا کہ ان کی کتابوں کے قاری مسلمان بھی ہوں گے، اس لیے یہ لوگ اپنا مخاطب مغرب کے قارئین کو ہی بناتے تھے، چنانچہ اس عہد کے دوسرے مصنفین کی طرح گولڈ زیہر بھی قرآن کو پیغمبرؐ اسلام کی تصنیف کی حیثیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پیش کرتا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک ایسا کہنا اسلام کی سخت تنقیص ہے۔ علاوہ ازیں اسلام پر لکھنے والے عام مغربی مصنفین کی طرح گولڈز یہر نے بھی قرآن و حدیث میں عہدِ جاہلیت کے اور بعض اور اجنبی اثرات پر بحث کی ہے۔ یہ موضوع بھی حساس مسلمانوں کے لیے سخت تکلیف دہ ہے۔ اس بحث میں گولڈز یہر نے جو زبان استعمال کی ہے وہ اب سے ایک سو برس پہلے تو استعمال ہوتی تھی، لیکن مستشرقین اب ایسی زبان استعمال نہیں کرتے جو مسلمانوں کے لیے آزردگی کا سبب ہو۔

پروفیسر برنارڈ لیوس نے سطورِ بالا میں گولڈز یہر کی مستشرقانہ غلطیوں کی ہی نشان دہی نہیں کی ہے، بلکہ موصوف کی علمی فروگزاشتوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''محاضراتِ اسلام،'' یعنی گولڈز یہر کی کتاب ''انٹروڈکشن ٹو اسلامک تھیولوجی اینڈ لاء''، بے شبہ اپنے زمانہ کی پیداوار ہے، چند مباحث میں، اور وہ بھی زیادہ تر تفصیلات وتشریحات کے معاملہ میں گولڈز یہر کی تحقیقات میں ان نئی معلومات اور دلائل کی روشنی میں رد و بدل کیا جا سکتا ہے جو گولڈز یہر کے بعد سے اب تک حاصل ہو چکی ہیں، اور جن پر عصرِ حاضر کی تحقیقات نے مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔

لیکن ان تمام غلطیوں اور فروگزاشتوں کے باوجود اس زمانہ میں اسلامیات پر لکھنے والے مغربی مصنفین کے درمیان گولڈز یہر کا انفرادی وصف اور امتیاز کیا ہے؟ پروفیسر برنارڈ لیوس نے اس پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ لکھتے ہیں: ''ہم نے اوپر جن فروگزاشتوں کا ذکر کیا ہے، ان سے قطع نظر گولڈز یہر نے اسلامی عقائد اور مسلمانوں کے کارناموں کے ساتھ جس غیر معمولی ہمدردی کا جا بجا اظہار کیا ہے، وہ نہایت اہم ہے۔ اگر ایک طرف گولڈز یہر میں ہمارے زمانہ کے مصنفین کی محتاط روش کی کمی ہے تو دوسری طرف اس تنقیص و تہجین کی روش سے جس کا اظہار اس عہد کے یورپین مصنفین مسلمانوں اور ان کے مذہب، تہذیب و تمدن اور ان کی مقدس کتابوں کی نسبت کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے، گولڈزیہر کا قلم اس سے بالکل آزاد اور مبرا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت اہم اور غیر معمولی بات ہے۔ اگرچہ گولڈزیہر اس عہد کی پیداوار ہے جس میں تبلیغ عیسائیت کا بڑا چرچا تھا، لیکن اس کے باوجود گولڈزیہر کی تحریروں میں اس کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ اور صرف یہی نہیں، بلکہ گولڈزیہر کے معاصرین یا ان کے پیش رو مصنفین میں سے جن لوگوں نے اسلام کی تعلیمات کو مسخ کر کے اور ان میں ردوبدل کر کے اسلام پر اعتراضات کیے تھے، گولڈزیہر نے ان لوگوں کی پردہ دری کر کے اسلام کی حقانیت اور اصلیت اور ان کے استناد کو ثابت کیا۔ اس سلسلہ میں گولڈزیہر عیسائیت کے ان علماء کے خلاف بھی سخت احتجاج کرتا ہے جو عیسائیت پر بحث کرتے ہیں تو اپنی یک طرفہ عقلیت پر بھروسہ کر لیتے ہیں، لیکن جب وہ اسلام پر گفتگو کرتے ہیں تو اس کے لیے معیارِ تنقید بہت سخت کر لیتے ہیں۔

سطور بالا میں پروفیسر برنارڈ لیوس نے گولڈزیہر کے اسلام سے متعلق علمی اور تحقیقی کارناموں کا بالغ نظری سے جو تحلیلی اور تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے، ہمارے نزدیک وہ بالکل صحیح، درست اور معروضی ہے، اور بڑی بات یہ ہے کہ عرب علمائے اسلام کا بھی نقطۂ نظر یہی ہے، چنانچہ گولڈزیہر کی دو نہایت اہم کتابوں کا عربی ترجمہ جو ہماری نظر سے گزرا ہے، ہم ان کا تعارف کراتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ علمائے عرب گولڈزیہر کے علمی اور تحقیقی کارناموں کے کس درجہ قدردان تھے، اور انہوں نے کس طرح ان سے خاطر خواہ استفادہ کیا۔

ایک ضخیم کتاب جس میں قرآن مجید کی تفسیر کے مختلف مناہج اور اسالیب سے بحث کی گئی تھی، اس کا عربی ترجمہ ''مذاہب التفسیر الاسلامی'' کے نام سے قاہرہ یونیورسٹی کے استاذ ڈاکٹر عبدالحلیم النجار نے کیا ہے، جو چار سو کے قریب صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۹۵۵ء میں مصر سے شائع ہو کر ارباب علم و ادب میں بہت مقبول ہوا۔ اس ترجمہ کے پیش لفظ میں فاضل مترجم لکھتے ہیں۔ ''کتاب مذاہب التفسیر الاسلامی، منہج اور اسلوب بحث اور قرآن مجید کے درس و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطالعہ کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرنے کے اعتبار سے اسلامی ثقافتوں کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا واحد، منفرد اور ایک بالکل نئے طرز کا کارنامہ ہے۔'' اس حیثیت سے یہ کتاب علمی بحث ونظر اور قرآن مجید کی تفاسیر میں جو تنوع ہے، اس کے مطالعہ کے لیے نئے میدان مہیا کرتی ہے۔ کتاب کی اہمیت اور افادیت کا اس طرح برملا اعتراف کرنے کے بعد فاضل مترجم لکھتے ہیں۔ ''گولڈزیہر نے اس کتاب میں تمام مذاہب تفسیر کا استیعاب واستقصاء نہیں کیا، علاوہ ازیں بعض دینی عواطف و جذبات کی تشریح میں دوسرے مستشرقین کی طرح مصنف سے بھی غلطیاں ہوئی ہیں، اور پھر کتاب اغلاط سے بھی خالی نہیں ہے، جن پر ہم نے اپنے حواشی میں تنبیہ کردی ہے، لیکن گولڈزیہر کو بحیثیت ایک عالم اور محقق کے جو مرتبہ بلند حاصل ہے ان چیزوں سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔''

دوسری اہم کتاب جس کا عربی ترجمہ بڑے اہتمام اور کاوش سے کیا گیا ہے، وہ یہی ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے یعنی ''انٹروڈکشن ٹو اسلامک تھیولوجی اینڈ لاء''۔ اس ترجمہ کا نام ہے، ''العقیدہ والشریعۃ فی الاسلام: تاریخ التطور العقدی والتشریعی فی الدین الاسلامی''۔ اس کا ترجمہ جو حواشی کے ساتھ ۴۰۷ صفحات پر ہے، مصر کے تین فاضل علماء ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ، ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر اور پروفیسر عبدالعزیز عبدالحق نے مل جل کر کیا ہے۔ اس ترجمہ کے مقدمہ میں ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ مستشرقین پر ایک عام گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یورپ کے جن علماء نے اسلام اور مسلمانوں پر کسی حیثیت سے خامہ فرسائی کی ہے، ان میں دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ تو ان لوگوں کا ہے جو اپنی خواہشات کے بندے تھے، اس لیے وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، لیکن ان کے برخلاف ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوا جو انصاف پسند تھا، ان لوگوں کو تحقیق وتدقیق کے بعد جو بات حق نظر آئی اسے برملا کہا۔ اس کے بعد طبقہ ثانیہ کے چند نامور مستشرقین اور ان کے خاص خاص کارناموں کا ذکر کیا ہے، اور پھر پروفیسر گولڈزیہر کو بھی اس طبقہ میں شمار کیا ہے، پھر گولڈزیہر کی کتاب کا تعارف ان لفظوں میں کراتے ہیں۔ ''یہ کتاب رسول اللہؐ، عقیدہ اور شریعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کانشو ونما اور عہد بعہد اس کا ارتقاء، زہد اور تصوف، مختلف اسلامی فرقے، مذہبی تحریکات اور ان کے اسباب وعلل، ان سب کا وسیع مطالعہ پیش کرتی ہے۔ مصنف نے اس کتاب کی تصنیف میں انہیں مراجع سے کام لیا ہے جو اسلام کے معتبر مراجع ہیں، اور مراجع سے استفادہ میں مصنف کی غیر معمولی ذہانت اور گہری بصیرت اس کی معاون اور مددگار رہی ہے، لیکن ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کتاب میں غلطیاں بھی کم نہیں ہیں، اس کے وجوہ متعدد ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ غیر مسلم ہونے کے باعث وہ اسلام کے مبادی اور اصول کی اصل روح تک پہنچنے سے قاصر رہا۔"

اس بناء پر فاضل مترجمین نے ایک طرف تو افادہ عام کی غرض سے بڑی محنت اور کاوش سے گولڈزیہر کی اس اہم کتاب کو عربی جامہ پہنایا اور دوسری جانب اس کتاب پر محققانہ حواشی لکھ کر مصنف کی نوع بہ نوع غلطیوں اور فروگزاشتوں کی نشان دہی کر کے ان کی تصحیح بھی کی۔

پروفیسر آربیری نے اپنی کتاب Portraits of Persian Poets کے مقدمہ میں کہا ہے کہ یورپ میں اسلام پر لکھنے والوں کے تین دور ہیں۔ (۱) پہلا دور مشنریز کا ہے، یہ لوگ لکھتے ہی تھے اسلام کو رسوا اور بدنام کرنے کی غرض سے، (۲) دوسرا دور استعمار کا ہے، اس دور میں مستشرقین جو کچھ لکھتے تھے، مثلاً براؤن، نکلسن اور ڈینی سن راس، وہ علمی ذوقِ تحقیق اور کاوش سے لکھتے تھے، لیکن استعماری طاقتیں ان سے یہ فائدہ اٹھاتی تھیں کہ ان کی کتابوں کے ذریعہ مسلمانوں کے مذہب و تہذیب و تمدن اور ان کی تاریخ سے واقفیت ہوتی تھی، چنانچہ اس عہد کے مستشرقین برطانوی گورنمنٹ کے پولٹیکل ڈپارٹمنٹ سے بھی بحیثیت مشیر کار کے تعلق رکھتے تھے۔ (۳) اس کے بعد جب استعمار کا دور ختم ہو گیا تو اب مستشرقین خالص علمی ذوق اور اسلامیات سے طبعی دلچسپی کی بناء پر لکھنے لگے۔ جہاں تک مشنریز کے کام کا تعلق ہے اس کی سخت مذمت خود پروفیسر آربیری نے کی ہے، اور مسلمانوں سے اس کی معافی مانگی ہے۔

ہمارے نزدیک پروفیسر آربیری کی یہ تقسیم بالکل صحیح ہے، نمبر ۲ اور ۳ کے ماتحت جو مستشرقین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتے ہیں، مسلمانوں کو ان کے علمی اور تحقیقی کارناموں کی قدر کرنی چاہیے اور جو روش علمائے عرب نے پروفیسر گولڈزیہر کی نسبت اختیار کی ہے، وہی روش ہمیں گولڈزیہر جیسے دوسرے مستشرقین کے متعلق اختیار کرنی چاہیے۔

حاشیہ

ا۔ یہ معلومات ان کی کتاب ''اسلامک تھیولوجی اینڈ لاء'' کے ترجمہ کے دیباچہ سے لیے گئے ہیں۔

© rasailojaraid.com